© rasailojaraid.com

سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ثقافت کا ’’جنگل‘‘

حال ہی میں مجھے ثقافت کے جنگل کا دشوار گزار سفر کرنا پڑا۔ رمضان شریف میں جنگل کا سفر‘ اور وہ بھی ثقافتی جنگل کا...... بہت بے مزہ ہوا‘ غالبؔ تو گالیاں کھا کے بھی بے مزہ نہ ہوا مگر یہ جنگل مناظر ان وحشیانہ گالیوں سے بھی بدتر تھے۔ میں حیران تو اس وقت ہوا جب میری نظر تعلیمِ بدچلنی کے امریکن سکول پر پڑی۔ وہاں بہت سی لومڑیاں چہرے سجائے، بال منڈائے، عشق کو پلکوں پہ بٹھائے نظر آئیں۔ شاید وہ کسی وحشی بیوٹی پارلر سے برآمد کی گئی تھیں۔ وحشی میں نے اس لیے لکھا کہ وحشی کو سکون سے کوئی مطلب نہیں ہوتا اور راہ گزر سے گزرنے والوں کا جو سکون لوٹ لے‘ وہ یقیناً وحشی ہے۔ قتل کرنے والا اور ’’ٹوٹے ٹوٹے‘‘ کردینے والا اتنا بڑا وحشی نہیں ہوتا‘ جتنی بڑی وحشی یہ بیوٹی پارلر سے نکلنے والی غارت گر سکونِ چشم و دل ہوتی ہے۔ میں امریکن سکول سے جانب مشرق گھوم گیا تو وہاں بہت سی طوطیاں جمع تھیں۔ بعض پر تو مینا کا گمان ہونے لگا کیونکہ نہایت روانی سے یہود و نصاریٰ کے لب و لہجہ میں ’’ٹاک‘‘ رہی تھیں بلکہ انہوں نے ’’کٹاک کٹاک‘‘ لگا رکھی تھی اور پوری راہ گزر سر پہ اٹھا رکھی تھی۔ شور ایسا کہ کان پڑی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ قریب ہوئے تو پتا چلا کہ یہاں سے ایک باپردہ آدم زادی گزری ہے جس پر ثقافت کے جنگل کی یہ ثقافتی طوطیاں آپے سے باہر ہو رہی تھیں اور ’’شوروں‘‘ جیسا شور برپا کر کے اچھی خاصی محفل موسیقی جمائے ہوئے تھیں۔

ہم نے آگے بڑھنے کی ٹھانی اور دو طویل گزرگاہوں کا فاصلہ طے کیا تو کیا دیکھا کہ درختوں کے ایک جھنڈ میں کچھ مورنیاں کتھک ڈانس کی مشق کر رہی تھیں۔ ان کے ساتھی...... ان کی نوع تبدیل کر کے انہیں فنکاراؤں میں شمار کرانے والے...... عام بندر، چمپنزی، بن مانس، ایک ریچھ، اس کے پیچھے پیچھے ایک بھیڑیا‘ سبھی دُمیں دبائے، وِگیں سروں میں سجائے واہ واہ کے ڈونگرے برسا رہے تھے۔ مورنی...... داد پا کے کبھی اپنے ’’کھمب‘‘ سکیڑ لیتی، کبھی پھیلا لیتی، کبھی دائیں گھومتی، کبھی بائیں، کبھی سر دُم کو لگا لیتی، کبھی چونچ سے زمین چومتی...... اور اس وقت بھیڑیے اور ریچھ کی بے تابیاں، بے قراریاں دیدنی ہوتیں۔ بے اختیار ان کے وحشتوں سے سرخ چہرے مورنی کی طرف بڑھتے اور مورنی فنی مہارت سے پہلو بچاتی ہوئی، مسکراتی ہوئی موروں کی ڈار میں جا چھپتی۔ گئی اور بھیگتی رات تک یہ ثقافتی جنگلی شو‘ ہوتا رہا۔ اچانک ایک ہاتھی اور ’’ہتھن‘‘...... ’’ہتھ مستیاں‘‘ اور ’’سٹھ کیلیاں‘‘ کرتے ہوئے چنگھاڑتے ہوئے آبراجے۔ ہاتھی کے پاس ایک بہت بڑا گچھا تھا۔ وہ اس نے کھولا تو پتا چلا کہ مسٹر ہاتھی نے سیاسی کرتب دکھانے شروع کر دیئے ہیں کیونکہ باقی سب ثقافتی جنگل میں سیاست کا پھڈا نہیں ڈالتے تھے لیکن ہاتھی نے پہلے تو وہ گچھا تقسیم کیا۔ جس کے چرتے ہی تمام جانور‘ اول فول بکنے لگے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اورمنہ سے جھاگ اگلنے لگے پھر دیکھتے ہی دیکھتے تمام اپنی اپنی دُموں پر کھڑے ہوگئے اور ایک عجیب وغریب شعر جو خالص کسی آدم زاد کا لکھا ہوا تھا درباری، بھیرویں اور آسا میں الاپنے لگے...... ؎

لوگ آئینوں میں تکنے لگے چہرے اپنے
علم کے پیڑ سے تہذیب کا بندر اترا

......اوراس گائیکی سے کچھ ایسا سماں بندھ گیا کہ......''ڈارون'' کی بدروح بھی رقص کرنے لگی۔ جیسے گھری ہوئی ہے طوائف،تماش بینوں میں!

ابھی یہ طوفان تھمنے نہ پایا تھا کہ ہاتھی نے گچھے کی تہہ سے گوشت کے ٹکڑے نکالے اور ثقافتی جانوروں کی طرف اچھالے۔ گوشت کی بوسونگھتے ہی ریچھ، بھیڑیا، بندر، چمپنزی، بن مانس اور مس لومڑی (بے چاری صنف ضعیف) اچھلتے کودتے، گوشت کے ٹکڑوں پر پل پڑے۔ ایک دو ٹکڑے...... جتنے جس کے دانتوں میں آئے وہ لے بھاگا۔ مس لومڑی ایک طرف اور مورنی دوسری طرف منہ لٹکائے ٹسوے بہاتے رہے، اپنے بال و پر سکیڑ کر، جنگل کے جانوروں کی منہ زوری کا گلہ کرنے لگے: ؎

جب توقع ہی اٹھ گئی، غالبؔ
کیا کسی کا گلہ کرے کوئی؟

مس لومڑی اپنے سرخ سرخ ہونٹوں سے گلۂ وفائے جفا نما کر رہی تھی کہ بھیڑیا بھاگتا ہوا واپس آیا، کہنے لگا مس! آپ خفا نہ ہوں جنگل کے بادشاہ کے پاس چلتے ہیں وہ انصاف کرے گا۔ یہ سنتے ہی مورنی پھٹ پڑی کہ سارا فساد تو اسی جنگل کے باشاہ سلامت کا پیدا کیا ہوا ہے۔ یہ اسی کا آمرانہ انداز ہے جو ہمیں جینے نہیں دیتا۔ یہ بادشاہ سلامت ہیں؟ ان کو لطافتوں کا کیا علم؟ چہ داند بوز نالذّات ادرک؟ ہم سب آدھا جنگل ہیں۔ ہم تبدیلی لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں۔ ہماری خاموشی اور بزدلی نے یہ دن دکھائے کہ آدم زادوں کا شکار بننے سے لے کر ہاتھی کے گوشت بانٹنے تک ہم نے مسلسل ظلم سہا۔ آس کے دامن سے وابستہ رہے، وفا کے دروازوں سے چمگادڑ کی طرح چمٹے رہے مگر ہماری کمیونٹی کا کوئی فرد آگے بڑھ کر بات نہ کر سکا۔ آج ہم بادشاہ کے پاس نہیں جائیں گے بلکہ ہم بلبل ہزار داستان کے پاس جا کے اپنا رونا روئیں گے۔ سب نے بیک زبان اتفاق رائے کا اظہار کیا۔ لومڑی، مورنی اور بھیڑیا مل کر، بلبل ہزار داستان کی چوکی بھرنے چلے۔ ایک عظیم آدم زاد کا شعر گاتے ہوئے...... ؎

وہی میری کم نصیبی، وہی تیری بے نیازی
مرے کام کچھ نہ آیا، یہ کمالِ ''خر'' نوازی

(۲۰رفروری ۱۹۹۵ء)

© rasailojaraid.com